اہلِ ذوق کی حرزِ جاں بنی۔ اہلِ ایمان نے اسے دل کی غذا بنایا اور اصحاب وجدان نے اسے دل وجان سے خریدا۔ دنیائے علم میں جب سے چھاپے خانوں نے رواج پایا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت عامہ نے اپنا مقام حاصل کیا اور سینکڑوں ایڈیشن فارسی زبان میں چھپ کر علمی دنیا میں پھیلے آج تک اس کا اردو ترجمہ زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوا تھا۔ مکتبہ نبویہ کے معاونین نے سال ہا سال کی کاوش سے اسے اردو لباس بخشا اور حقیقت یہ ہے کہ جب ترجمہ سامنے آیا تو لوگوں کو یہ گمان بھی نہ ہوا کہ یہ فارسی زبان سے منتقل ہو کر ان کے ہاتھوں میں پہنچا ہے۔ مترجمین کی قابلیت اور پرکاری کی یہ ایک منہ بولتی علامت ہے کہ ترجمہ کو رواں اردو اور سلاست کا رنگ دے کر پیش کیا ہے۔

اس کتاب کے ترجمہ میں علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے (مقدمہ اور تتمہ) مولانا محمد اطہر نعیمی اعزازی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی۔ (رکن اول) اور مولانا حکیم محمد اصغر صاحب فاروقی دامت برکاتہم العالیہ (رکن دوم سوم اور چہارم) نے بڑی کاوش کا مظاہرہ کیا۔ یہ ان حضرات کی شبانہ روز محنت کا نتیجہ ہے کہ سرکارِ دو عالم کی حیات طیبہ پر ایک معروف فارسی مرقع اردو لباس میں جلوہ گر ہوا ہے۔

صاحبِ کتاب:۔ حضرت مولانا ملا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی الہروی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ ملا معین الواعظ الہروی (المتوفی ۹۰۷ھ) کتاب معارج النبوت فی مدارج الفتوت کے مؤلف ہیں۔ آپ مجالسِ وعظ میں اپنے اثر انگیز مواعظ کی وجہ سے "واعظ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نثر میں اپنے آپ کو مسکین معین[1] کے نام سے تعارف کراتے ہیں مگر شعری کلام میں صرف "معین" کے تخلص سے مشہور ہیں آپ سلطان ابو الغازی حسین کے عہد کے زبردست فاضل، بلند پایہ مفسرِ قرآن اور نادر الکلام واعظ مانے جاتے ہیں۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ آپکے ہمعصر اور اپنے عہد کے نامور شاعر اور شعلہ بیان شاعر تھے آپ کے بھائی مولٰنا نظام الدین قاضی ہرات تھے۔ ان کی رحلت پر سلطان حسین نے آپ کو ہرات کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ آپ چونکہ منصب شاہی اور دنیاوی

---

[1] تذکرہ میخانہ باہتمام گلچین معانی۔ حاشیہ صفحہ ۷۷۴۔

جاہ و جلال کو پسند نہیں کرتے تھے ایک سال کے بعد منصب قضا سے مستعفی ہو گئے۔

آپ کا درجہ علم و فضل اور زہد و تورع میں نہایت ممتاز تھا۔ طبیعت میں بلندی اور دنیا کے علائق سے بے نیازی فطرت میں رچی بسی تھی۔ جامع مسجد ہرات میں مسلمانوں کے کثیر مجمع میں ہر جمعہ کو وعظ فرماتے۔ آپ کا بیان پُر اثر تقریر میں تاثیر اور بیان میں بے پناہ دلکشی تھی جن مجالس میں آپ وعظ فرماتے ان میں وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر علماء، فضلاء اور امراء بھی شریک ہوتے تھے۔ آپ امراء سلطنت کے منصب و مراتب کی پرواہ نہ کرتے۔ بعض اوقات انہیں افعال قبیحہ پر برملا سرزنش کرتے تھے۔ صاحب تاریخ حبیب السیر نے ملا معین کو ان الفاظ میں ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے۔

"مولنا معین الدین الفراہی برادر ارشد قاضی نظام الدین بود۔ بسیارے از فضائل و کمالات اظہار وقوف می نمود۔ در زہد و تقویٰ درجہ علیا داشت۔ اکثر خطوط را در غایت جودت بر صحیفہ تحریر می نگاشت۔ در ایام جمعہ بعد از نماز در مقصورۂ مسجد جامع ہرات وعظ در کمال تاثیر می گفت۔ با عاظم امرا کہ در مجلس وعظ می نشتند۔ ملتفت نمی گشت۔ در وقت نصیحت آں طائفہ سخناں درشت۔ بر زبانش می گذشت و آں جناب بعد از فوت برادر بموجب تکلیف خاقان والا گہر مدت یک سال صاحب قضا بود۔ آں گاہ ترک آں امر داده۔ ہر چند مبالغہ نمودند قبول نفرمود۔ از آثار قلم لطافت نگار مولنا معین الدین "معارج النبوت" درمیان مردم مشہور است۔ و اکثر وقائع و حالات سیّد کائنات علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التحیات بروایات مختلفہ دراں مسطور و مولنا معین الدین از شہور سبع و تسعمائۃ مریض شدہ درگذشت و در مزار مقرب حضرت باری خواجہ عبداللہ انصاری ہیلوی برادر خود قاضی نظام الدین مدفون گشت۔"

ملا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے پورے چالیس سال وعظ و تذکیر میں گزرے اس طویل عرصہ میں انہوں نے اپنے سامعین کے دامن کو علوم و معانی کے گلہائے رنگا رنگ سے مالا مال کر دیا۔ کلام میں عشق و تصوّف کا رنگ غالب تھا۔ آپ کا مرتبہ شعرائے متصوفین میں عراقی اور مغربی کے مساوی مانا جاتا ہے۔ شعر کا مذاق خاندانی ہے۔ آپ کے والد مولانا

تاریخ حبیب السیر جلد سوم صفحہ ۳۳۰

شرف الدین حاجی محمد بھی شاعر تھے اور ان کے اکثر شعر کتاب معارج النبوت اور آپ کی دوسری تصانیف میں ملتے ہیں۔

تذکرہ "مخزن الغرائب" میں ملا معین واعظ کی شاعری اور نثری خوبیوں کو سراہتے ہوئے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

"مولانا معین الدین ہروی فاضل تحریر و دانش مند کامل بودہ۔ کتاب "معارج النبوت" و معجزات موسوی (اعجازِ موسوی) و تفسیر قرآن ازو در عالم مشہور است۔ در تفسیر آں قدر نکات و عجائبات بیان کردہ کہ در ہیچ تفسیر دیدہ نشد۔ در نظم و نثر کمال مہارت داشتہ۔"

آپ کے شعر کی شگفتگی اور کلام میں رنگ تصوّف کے غلبہ کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم نے آپ کے "دیوانِ معین" کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان سمجھ کر اشاعتِ عامہ سے نوازا۔ اور آج تک "دیوان خواجہ معین الدین اجمیری" کے نام سے چھپ رہا ہے[1]

صاحب معارج النبوت ملا معین واعظ الہروی رحمۃ اللہ علیہ تصانیفِ کثیرہ کے مالک ہیں۔ انہوں نے جہاں مساجد کے محراب و منبر کی شان کو اپنے زورِ بیاں سے برقرار رکھا۔ وہاں انہوں نے قلم کی رفتار سے اپنی تصانیف کثیرہ کو مقبولِ عام و خواص بنا دیا۔ ان کی کتابیں اور رسالے بے شمار ہیں لیکن ہماری نگاہ نے صرف ذیل تصانیف کے ناموں تک رسائی حاصل کی ہے۔

۱۔ تفسیر بحر الدّرر۔
۲۔ تفسیر حدائق الحقائق فی کشف الاسرار الدقائق۔
۳۔ واضحہ فی اسرار الفاتحہ۔ (سورہ فاتحہ کی تفسیر)
۴ روضۃ الواعظین فی احادیث سید المرسلین (چار جلد)

[1] دیکھیے: (۱) مقالات حافظ محمود شیرانی۔ جلد ششم صفحہ ۱۷۱ — ۱۹۴۔
(۲) رسالہ اردو۔ ماہ جولائی ۱۹۲۴ء۔ (۳) رسالہ اردو ماہ جولائی ۱۹۵۰ء از پروفیسر محمد ابراہیم ڈار یوسف اسمٰعیل کالج بعنوان۔ دیوان خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔

۵ ۔ تفسیر سورۂ یوسف ۔

۶ ۔ اعجاز موسوی (معجزات موسوی)

۷ ۔ دیوان معین ۔

۸ ۔ معارج النبوت فی مدارج الفتوت ۔

ملاّمعین الہروی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ (نویں صدی ہجری) نظریاتی اور اعتقادی کشمکش کا زمانہ گردانا جاتا ہے۔ ایران طالع آزما بادشاہوں کی ہوس ملک گیری کا شکار ہو چکا تھا۔ ہرات پایۂ تخت تھا۔ اور ایشیا کا عروس البلاد مانا جاتا ہے۔ مشرقی ایران تیموری سلاطین کے زیرنگین تھا۔ وہ ہرات و سمرقند کے فرمانروا تھے۔ تیموری خاندان کے حکمران شاہ رخ (۸۰۷ - ۸۵۵ھ) میرزا ابوالقاسم بابر (۸۵۶ - ۸۶۱ھ) میرزا ابوالسعید گورگانی (۸۶۳-۸۷۳ھ) اور سلطان حسین (۸۷۵ - ۸۹۹ھ) یکے بعد دیگرے تخت ایران پر براجمان رہے۔ دوسری طرف ایران کا مغربی اور جنوبی حصہ ترکمان بادشاہوں کے زیرِ اثر رہا۔ ان کا پایۂ تخت تبریز تھا۔ شاہ قراقونیلو (۸۴۱ - ۸۷۳ھ) حسن بیگ (۸۷۱ - ۸۸۳ھ) اور یعقوب بیگ (۸۸۴ - ۸۹۶ھ) اس علاقہ کے فرمان روا تھے۔ یہ فرمانروا اپنے تاج و تخت کی حفاظت کے لیے ایک دوسرے سے نبرد آزما رہے۔ ہمارے فاضل مصنف ملاّ معین ہرات کے شہر میں سلطان حسین کے عہدِ ہمایوں میں شہرہ آفاق ہوئے اور یہی وہ دَور تھا جو سیاسی قوتوں کی کشمکش کے باوجود علم و فضل کی سرپرستی کے لیے مشہور تھا۔ ملاّمعین کے معاصرین علما میں سے حضرت مولٰنا جامی۔ مولانا سعدالدین کاشغری (م ۸۶۰ھ) خواجہ عبیداللہ احرار۔ (م ۸۹۵ھ) قاضی عندالحی۔ سعدالدین تفتازانی۔ سید جرجانی جیسے جلیل القدر علماء اپنے اپنے انداز پر کام کر رہے تھے۔ علمأ اہلسنت والجماعت) (اشاعرہ) ایک طرف معتزلہ کے ذہین اور طباع علمار کرام کے مقابلہ میں کھڑے تھے۔ دوسری طرف جنوبی ایران کے شیعی مجتہدین جن میں فرقہ امامیہ کے خواجہ طوسی۔ علامہ حلبی اور شہیدِ اول جیسے متبحر موجود تھے۔ نظریاتی اور اعتقادی میدان میں نبرد آزما تھے۔ تبریز و عراق میں شیعہ حکمرانوں کی سرپرستی نے شیعہ معاشرت کو فروغ دیا تھا۔ مغربی ایران کے بڑے

بڑے شہر مشہد۔ سبزوار۔ غورستان شیعوں کے بلا شرکت غیرے مراکز مانے جاتے تھے۔ شاہ اسمٰعیل اوّل کے غلبہ کے ساتھ ساتھ شیعہ نظریات سارے ایران کو متاثر کر رہے تھے۔

اس فضا میں مولٰنا معین الہروی کو دینی فرائض کی بجا آوری کا موقع ملا۔ وہ محبتِ رسول کے نقش کو مسلمانوں کے دلوں میں مرتسم کرنے میں کوشاں تھے۔ وہ صحابہ کرام کی عظمت کو تبرّہ بازان ایران سے محفوظ کرنے کے لیے تیغ بکف تھے۔ وہ چادرِ عصمت اہلبیت کو خوارج کے نشترِ طعن سے بچانے کے لیے سینہ سپر تھے۔ وہ صوفی تھے۔ اس لیے روحانی اقدار کی حفاظت کے لیے شب و روز کوشاں تھے۔ وہ عظمتِ مصطفٰے کو زندگی کا حاصل خیال کرتے تھے۔ اسی لیے وہ جب حضور کا نامِ نامی زبان پہ لاتے تو ہمہ تن عقیدت واحترام بن جاتے۔ ان کا کلام محبتِ رسول کا ترجمان ہے۔ ان کے الفاظ بارگاہِ رسالت میں عقیدت کے پھول ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کے موتی۔ صلوٰۃ وسلام کی لڑیوں اور درود ثنا کے گلدستوں کو بکھیرتے۔ پروتے اور نچھاور کرتے جاتے ہیں۔ شیعہ ان کی مجالس میں آکر اہلبیت کی محبت پاتے۔ معتزلہ اپنی عقل اور استدلالی تلواروں کو ان کی مجالسِ تصوف میں سرنگوں کر دیتے اور اہلِ دل ان کی مجالسِ وعظ میں پہنچ کر بے خود ہو جاتے۔

ملّا معین الہروی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے تصوف میں جس منفرد مقام کے مالک تھے وہ ان کے اشعار اور دوسری تصانیف سے جا بجا نمایاں نظر آتا ہے۔ ایران اور دنیائے اسلام کے بعض دوسرے حصوں میں ابن عربی کا فلسفۂ تصوف اور نظریہ وحدت الوجود خاص طور پر مقبول ہو رہا تھا۔ اکثر صوفیہ اسی اندازِ فکر کے خوگر ہو چکے تھے۔ عطار۔ رومی۔ سنائی۔ مغربی۔ اوحدی اور عراقی کے ہاں جو رنگ پایا جاتا ہے۔ اس سے ملّا معین واعظ کی شاعری بڑی حد تک متاثر ہوئی۔ ان کے معاصرین میں سے جامی اور مغربی وحدت الوجود کے نظریہ کے ترجمان تھے۔ ہمارے فاضل مؤلف کی شاعری بھی یہی رنگ لے کر ابھری۔ وہ اپنے کلام میں جا بجا اسی نظریہ کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔

جمالِ یار می خواہی بذراتِ جہاں بنگر
کہ ہر ذرّہ است مرآئی کزو دیدار می تابد

صفات و ذات چو ازہم جدا نمی بینم
ہرچہ می نگرم ۔ جز خدا نمی بینم

ہمہ اوست کے فلسفہ نے ایرانی شاعری اور خاص کر صوفیانہ شاعری کو ایک منفرد رنگ دیا تھا ۔ ملا معین واعظ بھی اسی فلسفۂ ہمہ اوست کی ترجمانی بڑے زور سے کرتے ہیں ۔

کسے کہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریف خلوت و ساقیٔ خویشتن ہمہ اوست
اگر تو خرقۂ ہستی خویش پارہ کنی
نظر کنی کہ دیدہ زیر پیراہن ہمہ اوست
چہ جائے بادہ و جام وکدام ساقی مست
خموش باش معینی ودم مزن ہمہ اوست

اس فلسفہ تصوف کے بیان و اظہار کے باوجود ملاّ معین ایک مقرّر ۔ واعظ اور خطیب کی حیثیت سے محراب و منبر کی للکار اور مجالسِ وعظ کا نقطۂ پرکار رہے ہیں ۔ وہ اپنے اس کمال کا اظہار اپنے کلام میں بجا طور پر کرتے ہیں ۔

گرچہ شاہاں را بہ تخت و تاج زینت می دہند
جلوۂ مسکین معین بر تاج و منبر کردہ اند

بیا بہ وعظ معینؔ رموز عشق شنو
کہ از حکایت او بوئے دوست می آید

خلق گو بنیدم معین این رمز بر منبر مگو!
آہ کیں آتش ہزاراں واعظ و منبر بسوخت

وہ مجالس بیان میں سٹیج (منبر) کے مقام کو خوب جانتے ہیں اور خوب نبھاتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کے ہاں تختۂ دارا ور منبر کا امتیاز برقرار ہے۔

معینی گر ہمی خواہی کہ سرّ ش بر زباں رانی
مقامِ آں سر دار است بر منبر نمی گنجد

ان کی مجلسِ وعظ علم و فضل کا اُبلتا ہوا چشمہ تھا جس میں لوگ کثیر تعداد میں آتے۔ اور الفاظ و معانی کے موتیوں سے دامنِ دل و دماغ بھرتے۔ ایسی مجالس کی معنوی افادیت کا حضرت معین کو خود بھی پورا پورا احساس تھا وہ لکھتے ہیں:۔

خزینا ست مرا پُر ز نقد علم و ادب
کجاست آہ سحر گاہ و نالۂ دلِ شب
بیا بہ وعظ معینی رموزِ عشق شنو
کہ از حکایتِ او بوئے دوست می آید

در مجلسِ مسکین معین یکدم نشیں صد دُر بچیں
بنگر چہ دُر ہائے ثمیں دادہ است دریائے دلم

وہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے اور اپنے سامعین کے دل و دماغ پہ چھا جانے کا ملکہ رکھتے تھے اور اہلِ علم و فضل کے علاوہ حاضرینِ مجالس آپ کو آنکھوں پہ بٹھلاتے تھے۔ اس کے باوجود ان کے کلام میں انکساری۔ عاجزی اور کسرِ نفسی بہت حد تک پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی نگارشات اور اشعار میں اپنے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

"للفقیر معین المسکین" "قال العبد الضعیف مؤلف ہذا الکتاب" "کما قلت فی شعرلی" عربی انداز میں لکھتے جاتے ہیں۔ فارسی زبان میں وہ "چنانچہ فقیر حقیر گوید" "چنانچہ فقیر تو گوید"۔

چنانچہ فقیر ترا سرّے درین معنی بخاطرے می گذشت "معین دیوانہ گفتہ است"
اس علم وفضل کے دریا کی زبان سے اس انکساری کا اظہار فاضل مصنف کی عظمت کی بڑی دلیل ہے ۔

حضرت ملّا معین واعظ الہروی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو سامنے رکھا جائے تو ایک چیز بڑی واضح اور امتیازی نظر آتی ہے ۔ وہ یہ ہے کہ وہ عظمتِ مصطفیٰ اور محبّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف اظہار کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے قارئین کو اس کی تربیت دیتے ہیں ۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ۔ کمالات خصوصیات ۔ اور فضائل وشمائل کو بڑی تفصیل سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں ۔ اس بیان میں وہ عاشقانہ زبان اور ادیبانہ انداز اختیار کرتے ہیں ۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے اظہار میں احادیث کے ذخیرہ میں جہاں سے بھی کوئی روایت ملے اسے نہایت عمدہ انداز میں بیان کرتے جاتے ہیں وہ اس سلسلہ میں مستند یا غیر مستند ضعیف یا غریب احادیث کی بحث میں نہیں پڑتے ۔ وہ کوچۂ حبیب میں پہنچ کر تحقیق وتنقید کا پیمانہ توڑ دیتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے ملّا معین واعظ کی تحریروں کو عاشقانہ قرار دیا ہے محققانہ کہنے سے اجتناب کیا ہے ۔ اور بعض اوقات یہاں تک لکھ دیا گیا ہے کہ ملّا معین واعظ روایات کے بیان میں تحقیق سے کام نہیں لیتے ۔ بایں ہمہ ان کے طرز بیان اور شگفتگی تحریر کے ساتھ ساتھ وہ اس کے اخلاص اور محبت رسول کی بے حد تعریف کرتے ہیں ۔

فارسی اور عربی ادب میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر بے پناہ ذخیرہ کتب موجود ہے ۔ اہلِ قلم اور اہلِ محبّت نے اپنے آقا ومولا کے شب وروز کو بیان کرنے میں بڑی دریا دلی سے کام لیا ہے اور ان تصانیف کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا ہے جن میں خواجۂ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بیان ہو ۔ عربی میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی الشفاء ۔ خصائص کبریٰ ۔ زرقانی ۔ مواہب المدنیہ ۔ جواہر البحار اور فارسی میں مدارج النبوت شواہد النبوت ۔ نادر المعراج اور دوسری ہزاروں کتابیں سرکارِ دوعالم کی زندگی کے حالات سے لبریز ہیں ۔ مگر معارج النبوت فی مدارج الفتوت اپنے اندر جو سامانِ محبت لیے ہوئے ہے

وہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعاتِ معراجیہ کا پورا باب ہے۔ درودِ پاک کے فضائل پر سینکڑوں روایات اور حکایات موجود ہیں۔ خصائص نبوی پر ہزاروں اشارات ہیں۔ فضائل مصطفوی پر سینکڑوں لطائف ہیں۔ کتاب کی ان تمام خصوصیات کو سامنے رکھا جائے۔ تو معارج النبوت کا ایک منفرد مقام تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

عصر حاضرہ میں تصنیف و تالیف کی دنیا میں مغربی ممالک کے اتباع میں ایک روش چل پڑی ہے کہ سیرتِ پاک پر لکھنے والے صرف واقعاتِ زندگی اور ان واقعات کے شب و روز کی تاریخیں بیان کرنے میں بڑا زورِ قلم دکھاتے ہیں۔ مختلف سنین کی نمبر شماری کا نام تحقیق و تفحص رکھ لیا گیا ہے۔ پھر بادشاہانِ جہان کے ماہ و سال بیان کرنے کا نام سیرت و سوانح قرار دیا جانے لگا ہے۔ بہر حال یہ عصر نو کا طرزِ بیان ہے اور مستشرقین کا طرز نگارش ہے۔ اس اسلوب تحریر کی پیروی میں ہمارے بڑے بڑے اردو شاہکار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اس اندازِ بیان کا تتبع اپنی جگہ اپنا مقام ضرور حاصل کر چکا ہے۔ مگر متقدمین کے سامنے سیرت نگاری اور خاص کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے حالات لکھتے وقت جو بات سامنے تھی وہ آپ کی خصوصیات، کمالات۔ فضائل۔ محاسن۔ اسوۂ حسنہ۔ اخلاقِ عالیہ۔ عادات حمیدہ۔ اور پھر ان قلبی تاثرات کا اظہار تھا جو بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر مصنف کے قلب و جگر اور نوکِ قلم پر وارد ہوتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک ہمارے سیرت نگار ایسے ہی مقاصد کو سامنے رکھتے آئے ہیں۔ ابنِ ہشام۔ ابو اسحٰق۔ مولانا جلال الدین سیوطی۔ علامہ زرقانی۔ علامہ نبہانی۔ جامی۔ رومی اور پھر ہمارے فاضل مصنف ملا معین واعظ الہروی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے سامنے یہی اندازِ تحریر تھا۔ انہوں نے سرکارِ مدینہ کی نورانی زندگی کے شب و روز بڑے عشق و محبت سے بیان کیے ہیں۔ واقعات کی وہ چاشنی جو ان عاشقانِ رسول کی نگارشات میں ملتی ہے وہ وقت کے پروفیسروں۔ سوانح نگاروں اور سیرت نویسوں کے ہاں بہت کم پائی جاتی ہے۔

سابقہ نصف صدی کے دوران اردو ادب میں سیرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اہلِ قلم نے اپنے آقا و مولا کی بارگاہ میں اپنے اپنے قلم اور اپنے اپنے

ظرف کے مطابق ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی کی جلدیں لکھ کر ادبی دنیا میں بڑا نام پایا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی رحمۃ اللعالمین اپنے انداز میں بڑی جاندار کتاب ہے۔ ابو الکلام آزاد کی زبان دانی سے حضور کی زندگی پر بہت کچھ سامنے آیا ہے جسے بعد میں غلام رسول مہر نے کتابی شکل میں ترتیب دیا اور اب مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی سیرت رسول پر کتاب کی شہرت طباعت سے پہلے ہی جماعت اسلامی کے حلقوں سے نکل کر قارئین کے ذہن و فکر کو مطالعہ کے لیے تیار کر رہی ہیں۔ یہ ساری کوششیں اردو زبان میں بڑی خوبصورتی اور دلکشی لے کر سامنے آئی ہیں لیکن ایک بات جسے تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں وہ یہ ہے کہ ان حضرات نے حضور کی ذاتِ مقدسہ کو بڑے عامیانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہی واقعات کی صحت۔ روایات کی سند سنین کا تانہ بانا پھر فضائل مصطفیٰ بیان کرتے وقت پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ عظمت و رفعت مصطفیٰ بیان کرتے وقت حدود کا تعین۔ شمال و جنوب اور تحت و فوق کی حد بندیاں۔ غرضیکہ محبوبِ خدا کے شب و روز بیان کرتے وقت بھی یہ لوگ دنیائے دوں کے انسانوں کے اخلاقی اقدار کی رفعتوں کا پیمانہ سامنے رکھ کر فخرِ دو جہاں شہنشاہِ کون و مکان کی رفعتوں کو بیان کرتے رہے۔ ان کے ہاں نہ جامی کا سوز۔ نہ رومی کا گداز۔ نہ سعدی کی والہیت۔ نہ نظامی کی حلاوت۔ یہ واقعات لکھنے بیٹھے تو مغربی ادیبوں کا انداز بیان لے کر بیٹھے۔ طرزِ نگارش پر آئے تو یورپین سوانح نگاروں کا اسلوب نگارش آڑے آیا۔ اور وہ اسی میں کھوئے رہے۔

ان حضرات کی نازشِ قلم کے ساتھ ساتھ کچھ اہل دل بھی بارگاہ رسالت میں اردو زبان کے بکھرے ہوئے پھول لے کر آگے بڑھے۔ سیرت رسولِ عربی۔ شان حبیب الرحمٰن۔ ذکرِ حبیب۔ ذکرِ الحسین کی ساتھ ساتھ اسلاف کی کتابوں کے اردو تراجم سامنے آئے۔ جامی کی شواہد النبوت، شیخ محدث دہلوی کی مدارج النبوت۔ سیوطی کی الخصائص الکبریٰ۔ نبہانی کی جواہر البحار۔ قاضی عیاض کی الشفاء اور پھر آپ کے ہاتھوں ملا معین کی معارج النبوت اپنے مخصوص انداز لے کر اہلِ نظر کے سامنے آئیں۔ دیوبندی مکتبہ فکر نے اردو ادب میں سیرت رسول پر خاص کام کیا مگر وہ شانِ مصطفیٰ بیان کرنے میں شکستہ قلم رہے۔ جو انداز محبت بزرگانِ اہلسنت کے

ہاں پایا جاتا ہے۔ وہ دل میں اترتا جاتا ہے۔ اہلِ دل اسے حرزِ جان بنا لیتے ہیں اور اہلِ نظر ان نگارشات کو سرمہ نگاہ جانتے ہیں۔

معارج النبوت اردو کی تسوید و ترتیب میں جس ژرف نگاری اور جان کاہی کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی اس کتاب کی اشاعت کی راہ میں ایک باعظمت چیز تھی۔ ترجمے کرنے والوں نے اپنی مصروفیتوں کے کوہِ گراں کو ایک طرف کیا۔ اور شبانہ روز ترجمے کے مختلف مراحل طے کیے ان مراحل کے طے کرنے میں انہیں شبہائے دراز کی خاموشیوں کو اپنے قلم سے آباد کرنا پڑا فارسی زبان کی مخصوص حلاوت کو اردو لباس میں منتقل کرنا پڑا۔ یہ قلم کئی بار رکا۔ اور بار ہا آگے بڑھا۔ الحمد للہ۔ یہ ایک مفصل اور خوشگوار کام حبیب کبریا کی نگاہِ فیض کے صدقے مکمل ہوا۔

اس زمانے میں کاتب کا قلم ہیرے کا قلم بن گیا ہے۔ گراں باری کے باوجود صاحبِ قلم کی بے اعتنائی سے کتابوں پر جو کچھ گذرتی ہے وہ ناشرانِ کتاب ہی جانتے ہیں۔ کاتب کا قلم ٹی بی کے بوڑھے مریض کی طرح ؎ ہر قدم پر ہے گماں یاں رہ گیا واں رہ گیا! سالہا سال کے دعدوں کے بعد یہ ایک کتاب مختلف موقلموں کی زد میں رہ کر تیار ہوئی ہے۔ پھر طباعت کے کارخانے اپنے مزاج سے چلتے ہیں۔ تیز رفتاری کے باوجود سست روی کا یہ عالم ہے کہ کئی کئی ماہ گذر جاتے ہیں پھر پریس سے کتاب بازار تک پہنچتی ہے۔

بایں ہمہ یہ ضخیم کتاب آپ تک پہنچی۔ اور الحمد للہ بصد انداز زیبائی آئی۔ اہلِ دل نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تشنہ کام قارئین نے اسے ہاتھوں ہاتھ اٹھایا اور حقیقت یہ ہے کہ ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ اس کی پذیرائی ہوئی۔

اہلِ علم بہرحال اہلِ علم ہوتے ہیں اور اہلِ نظر کی نظر سے کوئی سقم بچنے نہیں پاتا۔ ہم اپنے اسقامِ قلم کو حضور سرورِ عفو و رحمت کے دامن میں چھپا کر آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ آپ بھی اسقامِ ترجمہ کو نظر انداز فرمائیں۔ اگر کوئی چیز اچھی لگے تو دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

۱۳؍ اپریل ۱۹۷۸ء
۱۸۱ ریواز گارڈن لاہور

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی